ڈاکٹر انعام الحق کوثر

قائد اعظم ۔۔۔ ایک بطلِ جلیل

اٹھائیس سال پیشتر ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائد اعظم محمد علی جناح ہم سے جدا ہو گئے لیکن ان کا عظیم کارنامہ پاکستان صفحۂ ہستی پر ہمیشہ قائم رہے گا اور اس طرح ہم انھیں ہمیشہ ہمیشہ یاد کرتے رہیں گے۔ ان کے افکار کا سرچشمہ اسلام تھا اور اسی نے پاکستان کی بنیاد مہیا کی۔ ان کے خیالات اور تصورات میں ایک ایسی اسلامی مملکت تھی جس میں اسلام کے نظریہ کا بول بالا ہو۔

وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک عظیم اور علیحدہ ثقافت کی مالک ملت قرار دیا اور ان کے وجود کو تسلیم کرایا۔ دو قومی نظریے کا تصور موجود ضرور تھا، مگر قائد اعظم کی سیاست اور فراست ہی تھی جو مسلمانوں کو ان کا حق دلا سکی۔ انھوں نے ۱۹۱۶ء میں "میثاقِ لکھنؤ" کی شکل میں کانگرس سے یہ تسلیم کرا لیا کہ مسلمان بھی اپنا ایک علیحدہ وجود رکھتے ہیں اور انھیں بھی سیاسی مراعات اور تحفظات کی ضرورت ہے۔ اس میثاق کو پاکستان کی جد و جہد میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔

قائد اعظم کے سیاسی تدبر کی مثال میں ناگپور کا ایک واقعہ بھی ہے۔ جب اس شہر میں کانگرس کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں سول نافرمانی اور عدم تعاون کے لیے پُر زور طریقے سے اظہار کیا گیا۔ قائد اعظم نے اسے پسند نہ فرمایا اور گاندھی جی سے کہا کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ سال چھ مہینے میں آپ خود ہی مجبور ہو کر اس تحریک کو واپس لے لیں گے۔

جن دنوں ہندوستان کے مسلمان مختلف سیاسی اور غیر سیاسی گروہوں میں منقسم ہو گئے تھے۔ اور مجموعی طور پر ان پر جمود اور نا امیدی چھائی ہوئی تھی، ان کا قومی وجود تذبذب کے عالم میں تھا۔ اس وقت قائدِ اعظم آگے بڑھے اور اس منتشر کارواں کو منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لیے تگ و دو کی۔ چنانچہ ۱۹۳۴ء میں قائدِ اعظم نے مسلم لیگ کی تنظیمِ نو کا آغاز کیا۔ اس سے کچھ پہلے انھوں نے لندن کی گول میز کانفرنس کے جلسوں میں بھانپ لیا تھا کہ ان کا مقصد برِ صغیر

میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ حکومت کی بنا ڈالنے کی بجائے پورے ملک پر صرف ہندوؤں کے لیے سیاسی و معاشرتی برتری حاصل کرنا ہے۔ بعد ازیں ملک میں کانگریسی وزارتوں کے متعصبانہ طرزِ عمل نے دوسرے مسلمان رہنماؤں پر اس حقیقت کو ظاہر کر دیا۔

۱۹۳۷ میں علامہ اقبال نے قائد اعظم کو ایک خط میں لکھا تھا :

" اس وقت ہندوستان بھر میں آپ ہی کی وہ ذات ہے جس پر مسلمان اپنی رہنمائی کے لیے اعتماد کر سکتے ہیں۔ بالخصوص ایسے زمانے میں جب کہ شمال مغربی ہندوستان پہ ایک طوفان امڈا چلا آ رہا ہے اور شمال مغربی ہندوستان ہی پر کیا موقوف ہے، یہ طوفان تو شاید سارے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ ہم اس وقت خانہ جنگی کی فضا میں جی رہے ہیں، اور اگر [انگریزی] فوج اور پولیس نہ ہوتی تو یہ خانہ جنگی آنکھ جھپکنے میں ملک گیر شکل اختیار کر لیتی۔"

۱۹۴۰ میں مسلمانوں کے سامنے واضح نصب العین یعنی پاکستان کا حصول تھا جس کے لیے قائد اعظم کی سرکردگی میں جدوجہد شروع ہوئی اور برصغیر کے مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ قائد اعظم کو یقین تھا کہ وہ اللہ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کے لیے ایک الگ آزاد حکومت قائم کر کے رہیں گے۔ ۱۹۴۲ میں الٰہ آباد کے مقام پہ انھوں نے فرمایا تھا :

" مجھے امید ہے کہ میں اپنی زندگی ہی میں اس نصب العین کی تکمیل دیکھ لوں گا جس کے لیے میں جدوجہد کر رہا ہوں اور جو سب کی بہتری کے لیے ہے۔ لیکن اگر میں اسے نہ دیکھ سکا تو پھر میرا کوئی بیٹا تو نہیں ہے جو میرا وارث ہو، مگر کوئی شخص جو میرے نصب العین کا وارث ہوگا وہ اسے ایک تکمیل یافتہ حقیقت کے طور پہ دیکھ لے گا۔"

قائد اعظم نے اپنے حریف کو آخری شکست ۱۹۴۶ کے عام انتخابات کو جیت کر دی۔ صوبائی اسمبلیوں میں بھاری اکثریت اور مرکزی اسمبلی میں سو فی صد کامیابی دراصل اس بات کا ثبوت بہم پہنچاتی تھی کہ برصغیر کے مسلمانوں نے اپنا ووٹ پاکستان کے لیے دے دیا۔

پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے ساتھ ہی بے شمار مصیبتوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب ایک طرف تو مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کیا جا رہا تھا اور دوسری جانب مغربی پنجاب کی حکومت کو جو ۱۶ اگست کو مسلم لیگی وزارت کے

ہاتھوں میں آئی تھی یک لخت مہاجرین کے سنگین مسئلہ سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ علاوہ ازیں نہ روپیہ تھا اور نہ سامان، ساتھ ہی ہر وقت حملے کا خطرہ رہتا تھا۔ ایسی آزمائش کی گھڑیوں میں حکومت کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔

قائد اعظم نے اس نازک دور میں نہایت محنت سے کام کیا اور ان خدشات کو دور کرنے کی پوری کوشش فرمائی۔ انھوں نے راکھ کے ڈھیروں کو ہٹا کر خودی اور قومی شعور کی دبی ہوئی چنگاری کو دہکایا۔ اُن کی گرج دار آواز آج تک فضاؤں میں گونج رہی ہے:

"پاکستان قائم رہنے کے لیے بنا ہے۔"

پھر ارشاد ہوا:

"دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کو برباد نہیں کر سکتی جتنی زیادہ ہمیں قربانیاں دینی پڑیں گی اتنے ہی ہم صاف اور پاکیزہ ہو جائیں گے، جیسے سونا آگ میں سے نکل کر خالص ہو جاتا ہے۔"

ایک اور موقع پر انھوں نے ۱۷ اپریل ۱۹۴۸ کو سرحد کے سب قبیلوں کے جرگہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"ہمیشہ سے میری یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں میں اتفاق و یکجہتی پیدا ہو اور مجھے امید ہے کہ اس عظیم مملکت پاکستان کی تعمیر و ترقی کا جو کام اس وقت ہمارے سامنے ہے، اسے دیکھتے ہوئے سب کو اس بات کا کامل احساس ہو گا کہ اس وقت اتحادِ باہمی کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے۔ ہم مسلمانوں کا خدا ایک ہے، قرآن ایک ہے، رسول ایک ہے، اس لیے ہمیں ایک واحد قوم کی طرح متحد ہو کر رہنا چاہیے۔ پرانی کہاوت ہے کہ اتفاق میں طاقت اور نا اتفاقی میں ہلاکت ہے۔"

قائد اعظم بہت زیادہ محنتی اور جفاکش تھے۔ ان کی زندگی میں مطالعے کی بہت زیادہ اہمیت تھی، جبھی ان کے کتاب خانہ میں تقریباً ہر قسم کی اچھی کتابیں موجود تھیں۔ آخر میں اسلامی لٹریچر کا کافی ذخیرہ جمع کیا تھا۔ اکتسابِ علم کو ہر چیز پر فوقیت دیتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے طلبا کو ہمیشہ یہی نصیحت فرمائی کہ ان کا پہلا نصب العین علم کا حصول ہے۔ تعلیمی پروگرام کو پس پشت ڈال کر سیاسیات میں حصہ لینا ایک غلط قدم ہے۔

قائد اعظم میں عزتِ نفس اور خودداری بہت زیادہ تھی۔ کم لوگ اُن کے معیار پر پورے ا

تھے۔ ان باتوں کی وجہ سے عوام کو ان سے بے حد لگاؤ تھا اور ان کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ انھیں اپنا سب سے بڑا ہمدرد اور غم خوار سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ یہ محسوس کرتے تھے جیسے قائد اعظم براہِ راست ان کے ذاتی معاملات سے دلچسپی رکھتے ہوں۔

نفاست پسندی قائد اعظم کی فطرت میں داخل تھی۔ گھر کے اندر باہر، دفتر میں صفائی کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ ملازموں کا لباس صاف ستھرا ہوتا تھا۔ باغ کے مالی تک اسی رنگ میں رنگے ہوتے۔ یہ باتیں سلجھے اور صاف دماغ کی آئینہ دار تھیں۔ وہ نجی زندگی میں ایک بے تکلف دوست اور رفیق کی صورت میں جلوہ گر ہوتے۔ فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں وہ زیرِ بحث معاملہ پر خوب سوالات کرتے اور اس کے ہر پہلو کو سمجھنے کی کوشش کرتے اور جب آخری دفعہ اُن کی رائے ایک مسئلے پر قائم ہو جاتی تو پھر وہ اس سے انحراف نہ کرتے تھے۔

قائد اعظم جتنا مطالعہ فرماتے اس سے کہیں زیادہ سوچتے تھے۔ وہ بڑے ذی شعور تھے معمولی باتیں بھی دلیلوں سے خالی نہ ہوتی تھیں۔ تحریکِ پاکستان کے زمانے میں ۸ دسمبر ۱۹۴۳ کو ایک غیر ملکی اخبار نویس نے آپ سے پوچھا: "لیکن آپ تو کانگریس کے سرگرم رکن اور ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار تھے"؟

قائد اعظم نے فرمایا: "میں کسی زمانے میں پرائمری میں بھی پڑھا کرتا تھا" اخبار نویس خاموش ہو گیا۔

بیورلی نکلس نے دریافت کیا: "لیکن پاکستان ایک غریب ملک ہوگا"

قائد اعظم نے کہا "فرض کیجیے آپ سے کوئی سوال کرے کہ آپ جرمنی کے تحت محکوم مگر خوشحال انگلستان کو ترجیح دیں گے، یا غریب مگر آزاد انگلستان کو" اور آپ کے جواب میں بیورلی نکلس کی زبان سے اگر کوئی لفظ نکلا تو صرف یہ کہ "مسٹر جناح ایک بطلِ عظیم ہیں"

سردار عبدالرب نشتر مرحوم نے قائد اعظم کی صفات یوں بیان کی ہیں:

"وہ اتنے دلیر تھے کہ کوئی انھیں ڈرا نہیں سکتا تھا۔ وہ اتنے اولوالعزم تھے کہ کوئی ان کا ارادہ بدل نہیں سکتا تھا"

ان کی کامیابی کا راز کیا تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے خود ہی فرمایا: "کردار، اخلاق، جرأت

محنت اور استقلال۔ یہ چار ستون ہیں، جن پر انسانی زندگی کی پوری عمارت کھڑی ہے۔"

ایک ادبی رسالے کے مدیر نے مئی ۱۹۴۶ کے شمارہ میں لکھا تھا: "میں ہر طرح انھیں دیانت دار، ذہین اور عقل مند سمجھتا ہوں، اور ان کی زندگی میں یگانگت اور ہم آہنگی پاتا ہوں کہ اسے ایک فن پارہ، ایک حسین نظم کہنے کو تیار ہوں۔"

حقیقت بھی یہی ہے کہ قائد اعظم کی سیاست میں بھول بھلیاں نہ تھیں۔ اُن کی سیاست مردِ مومن کی سیاست تھی، جس کی بنیاد ہی دیانت داری اور ایمان داری پر ہوتی ہے۔

ارمغانِ حالی

از پروفیسر حمید احمد خاں

شمس العلما الطاف حسین حالی اپنے دور کی عظیم شخصیت تھے۔ ان کی شہرت کا اصل باعث اگرچہ ان کی نظم کو قرار دیا جاتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کو نظم و نثر دونوں اصنافِ سخن پر عبور حاصل تھا۔ چنانچہ نظم کی طرح ان کا حصۂ نثر بھی بڑا جاندار اور متعدد موضوعات کو محیط ہے۔ وہ سوانح نگار بھی تھے اور ناقد بھی۔ مفکر بھی تھے اور مصلح بھی۔ انھوں نے اسلامی، تہذیبی، اخلاقی، تعلیمی اور معاشرتی وغیرہ مسائل سے متعلق عمدہ مضامین لکھے۔

یہ کتاب جو "ارمغانِ حالی" کے نام سے موسوم ہے۔ ان کی نظم و نثر کا قابلِ مطالعہ انتخاب ہے۔ کتاب میں حالی کے حالات و سوانح بھی مناسب تفصیل سے تحریر کیے گئے ہیں۔ صفحات: ۲۶۱ قیمت: ۱۴/ روپے

سستا ایڈیشن: ۹/ روپے